Fikr-o-Nasar (Islamabad) 14:3-4 (1976)

مکہ مکرمہ

اسلام سے پہلے

ضیاء الدین احمد

حجاز مقدس میں مکہ کو ایک اہم شہر کی حیثیت بہت قدیم زمانے سے حاصل رہی ہے۔ یمن اور شام کو ملانے والی قدیم تجارتی شاہراہ کے وسط میں واقع ایک وسیع وادی میں یہ شہر آباد تھا، جزیرہ عرب کے دوسرے خطوں کی بہ نسبت یہاں پانی کا انتظام قدرے بہتر تھا۔ اسی وجہ سے یہ وادی تجارتی قافلوں کا ایک اچھا ٹھکانہ بن گئی۔ رفتہ رفتہ تجارت کے تبادلہ کے ساتھ ساتھ یہاں خرید و فروخت کا سلسلہ بھی شروع ہوا اور لوگ سکونت اختیار کرنے لگے۔ اس طرح یہ شہر آباد ہوا بعض قدیم مورخین کی رائے میں جزیرہ نمائے عرب کے مغربی حصے میں چند ایسے مقامات تھے جو قدیم زمانے میں نہایت مقدس سمجھے جاتے تھے۔ غالباً مکہ انہی مقامات میں سے ہے۔ حصولِ سعادت کی غرض سے لوگ دور دراز علاقوں سے ان مقامات کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ بہرحال ہمارے پاس جدید اصول تاریخ پر مبنی ایسی کوئی شہادت موجود نہیں ہے جس سے اس شہر کی قدامت یا اس کے پرانے نام کے سلسلہ میں کوئی حتمی رائے قائم کی جا سکے۔ اس شہر کی قدیم تاریخ کے لیے بنیادی طور پر آسمانی کتابوں اور مسلم مورخین کی روایات ہی کی طرف ہمیں رجوع کرنا پڑتا ہے۔

لفظ "مکہ" کی تحقیق

لفظ مکہ کی تحقیق میں دو رجحان پائے جاتے ہیں۔ (۱) بعض کا گمان ہے کہ جنوب سے آنے والے چند عرب قبائل سب سے پہلے اس وادی میں آباد ہوتے تھے۔ اس لیے اس شہر کا نام بھی انہی کی زبان کا ایک لفظ ہوگا۔ ان کے خیال میں مکہ

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

یعنی لفظ "مکرب" سے مأخوذ ہے۔ یہ لفظ مک اور رب دو الفاظ سے مرکب ہے۔ یمنی اصطلاح میں "مک" بیت کو کہا جاتا ہے لہٰذا مکرب کے معنی بیت اللہ ہوئے۔ دوسری صدی قبل مسیح کے یونانی ماہر جغرافیہ بطلیموس نے اپنی کتاب میں اس شہر کو "مکاروبا" (MACAROBA) کے نام سے یاد کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مکاروبا مکرب ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ بکّہ، مکّہ کی دوسری لغت ہے۔ اہل یمن کبھی کبھی میم کو باء سے تبدیل کر لیا کرتے تھے۔ مکاروبا کا صحیح تلفظ مکارابا ہے مکارابا مشرقی آرامی لغت میں وادی عظیم یا وادی ربّ کہا جاتا ہے۔

(۲) دوسری رائے کے مطابق مکّہ کا قدیم اور اصل نام بکّہ ہے۔ قرآن مجید میں ان دونوں ناموں سے اس شہر کو یاد کیا گیا ہے۔ بکّہ یا بکاء کے معنی وادی، اور مکّہ اس کی دوسری لغت ہے۔ زبور کی ایک آیت میں مکّہ کو وادی کہا گیا ہے جس سے مراد بلاشبہ مکہ معظمہ ہے۔

مکّہ کی ابتدائی تاریخ

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام نے اس وادی میں قیام پذیر ہو کر اپنے ہاتھوں سے بیت اللہ کی تعمیر کی۔ سورۂ ابراہیم سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اس وادی غیر ذی زرع میں، جہاں پہلے ہی تجارتی قافلوں کی آمد و رفت تھی اور جہاں شاید انسانی بستی بھی پہلے سے موجود تھی۔ حضرت ابراہیمؑ دین کی اشاعت کی خاطر اپنے بیٹے اسمٰعیل اور ان کی والدہ کو لے کر پہنچے۔ اسی دوران یہاں زمزم کا مشہور کنواں بھی نکل آیا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ خود تو یہاں قیام پذیر نہیں ہوئے لیکن اپنے بیٹے اسمٰعیل کی دیکھ بھال اور اپنے دینی مشن کی خاطر کبھی کبھی یہاں تشریف لے آتے تھے۔ بنابریں زمزم کے پانی کی ارزانی اس سرزمین کی آبادی میں اضافہ کا باعث بنتی رہی۔

روایتوں میں آیا ہے کہ بئر زمزم کے نکلنے کے بعد سب سے پہلے قبیلہ جرہم کے لوگ یہاں آباد ہوئے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق جرہم سے پہلے بھی یہاں عمالقہ کا ایک گروہ بستا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے دین کی اشاعت کی غرض سے عراق، فلسطین اور مصر سمیت مختلف علاقوں کا طویل سفر کیا۔ لیکن رہتی دنیا کے لیے ملت ابراہیمی کا مرکز بننا مکّہ کے لیے مقدّر ہو چکا تھا۔ بوڑھے باپؑ نے اپنے مہاجر بیٹے کی مدد سے ایک سادہ سے چوکور گھر کی بنیاد رکھی۔ اور خدائی حکم سے اس گھر کو عبادت کا مرکز قرار دیا۔ خالق کائنات کو اپنے دو جلیل القدر

پیغمبروں کا اخلاص و ایثار اس قدر پسند آیا کہ اس نے ہمیشہ کے لیے حج بیت اللہ کو ملت ابراہیمی کا رکن رکین قرار دے دیا۔ حضرت اسمٰعیل کے بعد ان کے صاحبزادے نابت بن اسمٰعیل بیت اللہ کے متولی بنے۔ بالآخر کعبہ کی تولیت حضرت اسمٰعیل کے ننھیال خاندان بنی جرہم کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی۔ حضرت اسمٰعیل کی اولاد جن سے قریش کی نسل پھیلی اور قبیلہ جرہم کے درمیان بیت اللہ کی تولیت کے سلسلے میں کبھی کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔

ایک طویل مدت کے بعد قبیلہ خزاعہ نے قبیلہ جرہم سے کعبہ کی تولیت زبردستی چھین لی۔ خزاعہ ان ازدی قبائل کی ایک شاخ ہے جو یمن سے سد مآرب کی بربادی کے بعد شمال کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ ادھر جرہم کے ساتھ حضرت اسمٰعیل کی اولاد بھی اطراف مکہ اور تہامہ کی طرف چلی گئی۔ ایک لمبی مدت تک قبیلہ خزاعہ کے ہاتھ میں کعبہ کی تولیت رہی یہی وہ زمانہ ہے جب کعبہ سینکڑوں بتوں کا مرکز بھی بنا۔ اور حج میں بت پرستی کا عنصر بھی شامل ہو گیا اس سے قبل عرب کے گرد و پیش میں بسنے والے قبائل عرب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے دین سے نا آشنا تھے۔ ادھر حضرت اسمٰعیل کے انتقال کے بعد مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ ابراہیم کے دین کا بول بالا نہیں رہا۔ مزید برآں قبیلہ جرہم کی انتقامی کارروائیوں نے جو قبیلہ خزاعہ کے خلاف تھیں مکہ کی طرف سفر کرنے والے تجارتی اور مذہبی قافلوں کی آمد و رفت میں سخت رکاوٹیں پیدا کرنا شروع کر دیں۔ نیز یہ کہ خزاعہ اور جرہم کے درمیان جنگ کی وجہ سے بئر زمزم بھی کھنڈرات کے نیچے اس طرح دب گیا کہ اس کا سراغ لگانا ممکن نہ رہا اور نتیجہ کے طور پر مکے میں پانی کی قلت شدید سے شدید تر ہوتی گئی جس کی وجہ سے مکہ میں قافلوں کی تعداد میں بے تحاشا کمی آگئی۔ اور آخر اہل مکہ کا بنیادی ذریعہ معاش بری طرح متاثر ہوا۔

قبیلہ خزاعہ کے سردار عمرو بن لحی نے اپنی تولیت کے دوران غالباً قبائل عرب میں حج کی رسم کو دوبارہ زندہ کرنے کی غرض سے مختلف قبائل کے بتوں کو بیت اللہ کے ارد گرد نصب کر دیا۔ قبائل عرب چونکہ کعبہ کو تقدیس کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس لیے کعبہ میں بتوں کا وجود ان کی بت پرستی میں شدت کا باعث بنا۔

تقریباً پانچ سو سال تک قبیلہ خزاعہ کے پاس کعبہ کی تولیت رہی، پانچویں صدی عیسوی کی وسط میں کعبہ کی تولیت قبیلہ خزاعہ سے پھر بنو اسمٰعیل کے پاس منتقل ہو گئی۔ قصی بن کلاب نے جو قریش کا سردار تھا، نہایت زیرکی کے ساتھ خزاعہ سے کعبہ کی تولیت چھین لی۔

یہاں یہ واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ دراصل مکہ کی تاریخ کا مستند باب یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کی تاریخ اکثر و بیشتر ادھر ادھر کی روایات پر مبنی ہے۔ ان روایات کی صحت کے لیے آسمانی کتابوں کے

چند اجمالی اشارات کے علاوہ ہمارے پاس کوئی مستند تاریخی شہادت موجود نہیں ہے۔ قصی کا زمانہ عروج اسلام کے ساتھ بالکل متصل ہے۔ انہی کے زمانہ میں دینی، اقتصادی اور ادبی لحاظ سے مکہ کی مرکزیت عرب میں نمایاں طور پر ابھری جس کا سلسلہ ساتویں صدی عیسوی کے اوائل یعنی ظہور اسلام تک جاری رہا۔ ان ڈیڑھ سو برسوں کے اہم واقعات اہلِ عرب کی تاریخ میں محفوظ ہیں۔

قصی کا بچپن بادیہ شام میں گذرا۔ آغاز شباب ہی میں اپنے آبائی وطن مکہ واپس چلا آیا اور خزاعہ کے زعیم حلیل بن حبشیہ کی بیٹی حبی سے شادی کر لی۔ حلیل بن حبشیہ کعبہ کا متولی تھا۔ اس کی موت کے بعد قصی بن کلاب نے کعبہ کی کنجی پر قبضہ کر لیا۔ اور بیت اللہ پر اپنی ولایت کا اعلان کر دیا۔ قریش کے سامنے خزاعہ کی تمام مزاحمت ناکام رہی۔ قصی نے حفاظتی اقدام کے طور پر خزاعہ اور اس کے حلیفوں کو مکہ سے نکال دیا اور ساتھ ساتھ قبیلہ قریش کی مختلف شاخوں کو مکہ اور اس کے نواح میں آباد کرنے کا بندوبست کیا۔ قبائل قریش کی اکثریت وادی مکہ میں آباد ہوئی جو قریش البطاح کے نام سے مشہور ہوئے اور چند خاندان دور دراز مقامات میں بھی سکونت پذیر ہوئے ان خاندانوں کو مجموعی طور پر قریش الظواہر کہا جاتا ہے۔ قصی کی مقبولیت میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا اور انہوں نے مکی سوسائٹی کی تمام ذمہ داریاں خود سنبھال لیں۔

بعثت نبوی کے وقت مکہ میں پائے جانے والے سیاسی اور معاشرتی نظام کی ابتدا قصی بن کلاب ہی کے دور میں شروع ہوئی۔ انتظامی حالات خوشگوار تھے اور امن و امان کا دور دورہ تھا۔

قصی بن کلاب کے دورِ اقتدار کو بیان کرنے سے قبل یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ بعض اخباری روایتوں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ قصی سے پہلے مکہ میں بیت اللہ کے علاوہ اور کوئی عمارت نہیں تھی۔ وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جرہم اور خزاعہ کے سردار بیت اللہ کے جوار میں دوسری عمارت تیار کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ حتیٰ کہ اس زمانہ میں حرم میں رات گذارنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ قصی بن کلاب نے سب سے پہلے احاطہ حرم میں اپنی رہائش کے لیے عمارت کی بنیاد ڈالی جو بعد میں دارالندوہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس قسم کی روایات کو من وعن صحیح تسلیم کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ قصی سے پہلے یا بالفاظ دیگر اسلام سے صرف ڈیڑھ سو سال پہلے تک مکہ میں کوئی تمدن نہیں تھا۔ یہاں نہ کوئی تہذیب تھی اور نہ ہی قریش کو انتظامی اور سیاسی امور کا کوئی علم تھا۔ گویا قصی بن کلاب ہی نے مکہ کو ابتدائی دور سے نکال کر تہذیب و تمدن کی اس منزل تک پہنچا دیا کہ صرف ڈیڑھ سو سال کے اندر وہاں سے دنیا میں ایک عظیم انقلاب رونما ہوا۔ حالانکہ یہ بات عقلی طور پر قابل تسلیم نہیں شاید یہی وجہ ہے کہ بعض مستشرقین

نے قصی کے وجود سے بھی انکار کیا۔ ان کی رائے میں قصی ایک خیالی شخصیت ہے جو مسلمان مورخین کے ذہن کی پیداوار ہے۔ اس سے مستشرقین کا مقصد یہ ہے کہ قریش اور ان کی حکومت کے سلسلہ میں وارد روایتوں کو خرافات کا درجہ دے کر یہ باور کرایا جائے کہ انسانی تمدن و ثقافت میں انقلاب لانے والے رسول ہاشمی اور ان کے خاندان کا تعلق ان قبیلوں سے نہیں ہے جو حجاز اور تہامہ کے ریگستانوں میں صدیوں تک بدویت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ مستشرقین اس خیال کو بعید از عقل نہیں گردانتے کہ شمال یا بادیہ عراق سے حجاز کی طرف ہجرت کرنے والے مہذب اور متمدن قبائل سے قریش کا تعلق تھا۔ بعض نے بڑی جسارت سے کام لے کر یہ دعوے بھی کر ڈالا ہے کہ قریش دراصل نبطی قوم کی ایک شاخ ہے۔

ہمارے لیے مورخین کی اس روایت کو من وعن مان لینا مشکل ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ قصی سے پہلے حرم کعبہ میں بیت اللہ کے علاوہ اور کوئی عمارت نہیں تھی۔ ایسے ہی ہمارے لیے اس امر کا تسلیم کرنا بھی مشکل ہے کہ قصی ہی سے عرب کے تاریخی دور کا آغاز ہوتا ہے۔

قرین قیاس یہی ہے کہ مکہ جس کو حضرت ابراہیم نے شہر (بلد) کے لفظ سے پکارا ہے اور جس کو انھوں نے امن کا شہر بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی، قصی بن کلاب سے بہت پہلے ہی تہذیب و تمدن میں نمایاں ہو چکا تھا خود قرآن مجید نے سورۂ قصص میں مکہ کو ام القریٰ کہا ہے۔ ام القریٰ کا لفظ نزول قرآن سے پہلے عربوں کی زبان پر عام تھا۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مکہ قدیم زمانے ہی میں اس علاقے کا مرکزی مقام رہا ہے۔ طبری نے لکھا ہے کہ قریش کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد قبیلہ خزاعہ کے لوگ مکے میں اپنے مکانات چھوڑ کر چلے گئے تھے اور قصی بن کلاب نے بیت اللہ کی تولیت سنبھالنے کے ساتھ ساتھ قبائل قریش کو وادی مکہ میں بسا دیا اور خزاعہ کے متروکہ مکانات کا جانشین بنا دیا۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ قصی بن کلاب سے بہت پہلے مکہ ایک آباد شہر تھا۔

مکہ کے انتظامی امور

قصی بن کلاب اپنی موت تک مکہ کی سرداری پر فائز رہا۔ اس کی قائم کردہ روایات پر بعثت نبوی بلکہ فتح مکہ تک مکہ اور بیت اللہ کے انتظامات انجام پاتے رہے۔ قصی کا قائم کردہ دار الندوہ گویا مکہ کی اسمبلی تھی۔ چالیس سال سے زیادہ عمر کے لوگ دار الندوہ میں منعقد ہونے والے مشاورتی اجلاسوں میں شریک ہو کر مکے کے اہم معاملوں کا فیصلہ کرتے تھے۔ دار الندوہ فوجی ہیڈ کوارٹر بھی تھا جہاں سے قریش اور ان کے حلیف جنگ کو روانہ ہوتے تھے۔ اہل

مکہ کا بنیادی ذریعہ معاش تجارت تھی۔ اس لیے ان کی تجارتی پالیسی بھی اسی دارالندوہ میں طے کی جاتی تھی اور یہیں سے تجارتی قافلے مختلف مقامات کی طرف روانہ ہوتے تھے۔ دارالندوہ کے علاوہ ہر برادری کی اپنی اپنی مجلس مشاورت ہوتی تھی۔ ان مجالس میں برادری کے داخلی معاملات کا فیصلہ ہوتا تھا۔ واضح رہے کہ قصی بن کلاب کا قائم کردہ دارالندوہ امیر معاویہ کے دورِ حکومت تک اسی نام کے ساتھ باقی رہا۔ امیر معاویہ نے ایک ہزار درہم کے عوض اس عمارت کو خرید لیا تھا اور ان کے زمانہ میں یہ مکہ کا دارالامارات رہا۔ معتضد باللہ عباسی نے اپنے دورِ حکومت میں اس عمارت کو گرا کر متعلقہ زمین کو مسجد حرام میں شامل کر دیا۔ یہاں یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ عمرو بن لحی سے قصی تک مکہ کا معاشرہ بنیادی طور پر قبائلی نظام پر مبنی تھا اور چونکہ قبائلی نظام میں شیوخ کے مشورے ہی سے انتظامی امور اور قانونی مسائل طے پاتے تھے۔ اس لیے بعض علماء نے بجا طور پر قبائلی نظام کو موجودہ جمہوری طرزِ حکومت سے تشبیہ دی ہے۔

نظامِ حج

اگرچہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ مناسکِ حج میں بت پرستی بھی شامل ہوتی گئی تاہم حضرت ابراہیم کے وقت ہی سے حج اہلِ عرب کا اہم دینی فریضہ رہا۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے ہر سال سینکڑوں آدمی بیت اللہ کی زیارت کے لیے آتے تھے جس کے نتیجہ میں حج کا موسم اہلِ مکہ کی معاشی زندگی میں ارزانی اور خوشحالی کا باعث بنا۔ اسی لیے مکہ کی انتظامیہ حج کے انتظامات کو بہتر بنانے کے لیے خاص دلچسپی رکھتی تھی۔ حج کے سلسلہ میں قصی کا اختیار کردہ ڈھانچہ ایک منظم اصول پر قائم تھا۔ قصی نے حج کے متعلقہ انتظامات کو سدانہ، سقایہ اور رفادہ ان تین محکموں میں تقسیم کر دیا تھا۔

سدانہ

بیت اللہ کی عمومی دیکھ بھال اور زائرین کے لیے عام سہولتوں کا مہیا کرنا اس محکمے کے فرائض میں تھا۔ عرب معاشرے میں کعبہ کو مرکزیت کی حیثیت تھی۔ اللہ کا گھر ہونے کی وجہ سے اہلِ عرب کعبہ کو مقدس جانتے تھے اور ہر سال ہزاروں کی تعداد میں لوگ مکہ آتے تھے۔

سقایہ

موسم حج میں دور دراز علاقے میں افتادہ کنوؤں کے پانی سے موسم حج میں زائرین کی ضرورت پوری کی جاتی

تھی۔ ظاہر ہے کہ مکہ میں پانی کی ارزانی اور دستیابی پر ہی زائرین کی کثرت کی امید کی جاسکتی تھی۔ ابنِ ہشام کی روایت کے مطابق مکہ سے قبیلہ جرہم کے اخراج کے وقت بئر زمزم کھنڈرات کے نیچے غائب ہو گیا تھا۔ قصی نے مکہ میں پانی کی سپلائی پر خاص توجہ دی۔ انھوں نے اور قریش کے سرداروں نے مکہ اور اس کی نواح میں بہت سے کنوئیں کھدوا دیئے۔ یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب، جو اپنے وقت میں وظیفۂ سقایہ کے ذمہ دار تھے، کے زمانے تک بئر زمزم انسانی نظروں سے غائب ہی رہا۔ ادھر ہر سال حجاج کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بہت تلاش کرنے کے بعد عبد المطلب کے زمانہ میں بئر زمزم کا سراغ لگا لیا گیا۔

رفادہ

سدانہ اور سقایہ کے بعد سب سے اہم محکمہ رفادہ کا تھا۔ اس محکمے کی نگرانی میں موسم حج میں عرفات اور منیٰ کے دن حجاج کے لیے ضیافت کا بندوبست کیا جاتا تھا۔ یہ اس نظریہ پر مبنی تھا کہ بیت اللہ کے زائرین اللہ کے مہمان ہیں۔ اور اس کے جوار میں رہنے والے اہلِ قریش پر انکی مہمانداری واجب ہے۔ اس مد میں خرچ ہونے والی رقم قریش پر باقاعدہ ٹیکس عاید کر کے وصول کی جاتی تھی۔ اس محکمے کی سیاسی اور معاشرتی اہمیت بھی کم نہ تھی۔ ان ضیافتوں کے وسیلے سے بیت اللہ کی زیارت کرنے والے قبائل اور ان کے سرداروں کے ساتھ باہم سیاسی اور معاشرتی گفتگو کا ایک سلسلہ جاری رہا کرتا تھا۔

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ عمرو بن لحی نے خود رفادہ کا منصب قائم کیا تھا اور وہ زائرین کعبہ کو ضیافتوں سے نوازتا تھا۔ بعض سال ایام حج میں عمرو بن لحی دس دس ہزار اونٹ کی قربانی دیتا تھا اور زائرین بیت اللہ کے لیے مختلف النوع کے کھانے تیار کیے جاتے تھے۔ ذلیفہ سدانہ کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ دیوِ کعبہ کے ساتھ ہی اس کی بنیاد رکھی گئی تھی کیونکہ سدانہ ہر دینی مرکز کے لیے لازمی ہے۔

مذکورہ تین محکموں کے علاوہ اور بھی دو محکمے یعنی اللواء اور العقیادہ کم اہمیت کے حامل نہ تھے۔ ان دونوں محکموں کا تعلق جیسا کہ خود دونوں لفظوں کے لفظی معنوں سے ظاہر ہوتا ہے قومی لڑائیوں کے ساتھ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک وظائف مذکورہ شاخ در شاخ بٹ کر سولہ تک پہنچ گئے تھے۔ ان وظائف کی ذمہ داری فتح مکہ کے دن تک دس سرداران قریش کے سپرد تھی۔ ان دس سرداروں کا تعلق قریش کے دس خاندان کے ساتھ تھا البتہ قصی کے عہد میں یہ ذمہ داریاں ان کی ذات میں مرکوز تھیں وہ اپنی صوابدید کے مطابق قریش کے مختلف

خاندانوں کی افرادی قوت کی مدد سے ان ذمہ داریوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے تھے قصی کی موت کے بعد قریش نے جمہوری طریقے پر ان ذمہ داریوں کو آپس میں بانٹ لیا تھا فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نئے سیاسی حالات کے پیش نظر صرف سدانہ اور سقایہ کی ذمہ داری متعلقہ قبائل قریش ہی کو سونپ دی اور باقی مناصب پر قریش کی منفرد ذمہ داری ختم کر دی۔

یہاں پر اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں پرانی عداوت تھی۔ اس داستان کا ذکر دور عباسی کے مورخ ابن سعد نے کیا ہے اور ان کی پیروی میں بعد میں آنے والے مورخین نے اس روایت کو نقل کر دیا ہے حالانکہ پہلے مورخ ابن اسحاق نے اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا بلکہ ان کی کتاب سے تاثر ملتا ہے کہ قریش کے ان دونوں اہم قبائل (بنو ہاشم اور بنو امیہ) کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے۔ حتیٰ کہ جب عبدالمطلب نے بئر زمزم کا سراغ لگایا تو بنو ہاشم کی طرح بنو امیہ نے اس عظیم کامیابی کو اپنی کامیابی قرار دی اور عبدالمطلب کی مدح و توصیف پر قصیدے پڑھے۔

ماخذ

۱ الازرقی — اخبار مکہ ، المطبعۃ الماجدیہ ، ۱۳۵۲ھ

۲ احمد ابراہیم الشریف — مکہ والمدینۃ فی الجاہلیہ وعہد الرسول ، قاہرہ ، ۱۹۵۴ء

۳- ابن کثیر — التاریخ الکامل ، مطبعۃ السعادہ ، مصر ، ۱۹۳۲ء

۴- ابن ہشام — سیرۃ النبی ، المطبعۃ الحجازیۃ ، قاہرہ - جزء اول

۵- ابن الاثیر — الکامل فی التاریخ ، المطبعۃ المنیریہ ، ۱۳۴۵ھ

۶ ابن سعد — الطبقات الکبری ، بریل ، ۱۹۱۷ء

۷- بلاذری — انساب الاشراف ، تحقیق ڈاکٹر محمد حمید اللہ ، دار المعارف

۸- جواد علی — تاریخ العرب قبل الاسلام جلد رابع ، مطبعۃ المجمع العلمی العراقی

۹- جورجی زیدان — العرب قبل الاسلام

۱۰- حسین ہیکل — حیاۃ محمد ، طبع سابع ، دار العلم ، قاہرہ

۱۱- شبلی نعمانی — سیرۃ النبی، حصہ اول، طبع ششم

۱۲- طبری — تاریخ الامم والملوک، برل

۱۳- مقریزی — النزاع والتخاصم، مکتبہ الاہرام، قاہرہ

۱۴- یاقوت — معجم البلدان، برل

۱۵. 'Encyclopeadia of Islam (Shorter) art. Mecca.'

۱۶. M. Watt, Muhammad at Mecca.

۱۷- سید سلیمان ندوی — ارض القرآن دو جلدیں، اعظم گڑھ.

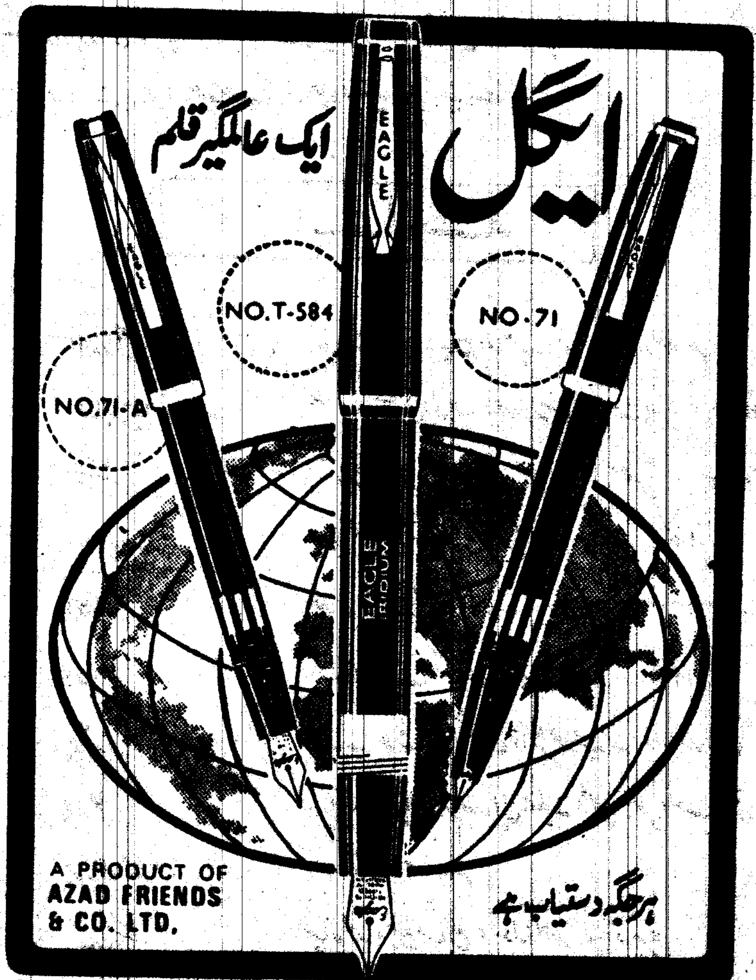

AFC-5/75
Crescent